سماج میں ثقافتی تبدیلی کا قرآنی منہج

The Quranic Methodology of Cultural Change in Society

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Dr: Ghulam Abbas
Ph.D. Quran and Educational Sciences,
Al-Mustafa International University, Qom, Iran
E-mail: ghulamabbas.kash@gmail.com

Abstract:
Cultural transformation in society is a highly significant and sensitive process that directly influences human beliefs, behaviors, ethics, and intellectual standards. In contemporary Muslim societies, the influence of non-Islamic culture is gradually increasing—often unconsciously—and is affecting moral conduct and social values.
To safeguard against this infiltration, it is essential for society to consciously adopt a religious culture grounded in the principles of the Qur'an and Sunnah, making awareness, intellectual integrity, ethical conduct, and piety its central guiding framework.
The study demonstrates that genuine religious and cultural transformation requires a firm commitment to establishing the primacy of reason and awareness within society, promoting justice and fairness, recognizing piety as the true criterion of excellence, upholding human dignity, and encouraging the widespread dissemination of knowledge. These principles serve as fundamental pillars for the reform of both the individual and society, and they help protect against blind imitation, class or racial superiority, as well as intellectual and

moral decline. This study adopts a descriptive-analytical approach, examining the principles of cultural transformation in light of Qur'anic texts and evidence from the Prophetic biography (Seerah).

Keywords: Culture, Social Change, Qur'anic Methodology, Justice, Piety, Intellectual Culture, Social Reform.

خلاصہ

سماج میں ثقافتی تبدیلی ایک نہایت اہم اور حساس عمل ہے جو انسانی عقائد، رویوں، اخلاق اور علمی معیار کو براہِ راست متاثر کرتی ہے۔ موجودہ مسلم معاشروں میں غیر اسلامی ثقافت کے اثرات غیر شعوری طور پر بڑھ رہے ہیں اور اخلاقی رویوں اور سماجی اقدار پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اس نفوذ سے بچاؤ کے لیے ضروری ہے کہ معاشرہ دینی ثقافت کو قرآن وسنت کے اصولوں کے مطابق شعوری بیداری، علمی معیار، اخلاق اور تقویٰ کو اپنا رہنما محور بنائے۔

تحقیق میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ حقیقی دینی اور ثقافتی تبدیلی کے لیے پختہ عزم کے ساتھ معاشرے میں عقل و شعور کی بالادستی قائم کرنا، عدل وانصاف کو فروغ دینا، تقویٰ کو معیارِ فضیلت قرار دینا، انسانیت کی تکریم کرنا اور علم کی ترویج کو عام کرنا بنیادی ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ اصول فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح کا باعث بنتے ہیں اور اندھی تقلید، طبقاتی یا نسلی تفاخر، اور علمی و اخلاقی زوال سے بچاؤ کو ممکن بناتے ہیں۔ قرآن کے منہج کو معاصر سماجی چیلنجز کے تناظر میں پیش کرتے ہوئے یہ تحقیق معاشرتی اصلاح، اخلاقی بیداری اور علمی ثقافت کے فروغ کے لیے عملی رہنمائی فراہم کرتی ہے اور نوجوان نسل اور محققین کے لیے بصیرت کا ذریعہ بنتی ہے۔ نتیجتاً یہ تحقیق مسلم معاشروں کو قرآن وسنت کے ساتھ جوڑ کر ایک اصولی اور جامع فریم ورک کے تحت ثقافتی تبدیلی کی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

یہ تحقیق توصیفی۔ تحلیلی (Descriptive-Analytical) منہج اختیار کرتے ہوئے قرآنی نصوص اور سیرتِ نبوی کے شواہد کی روشنی میں ثقافتی تبدیلی کے اصولوں کا جائزہ لے گی۔

کلیدی کلمات: ثقافت، سماجی تبدیلی، قرآنی منہج، عدل، تقویٰ، علمی ثقافت، معاشرتی اصلاح۔

مقدمہ

انسانی معاشرہ محض افراد کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک زندہ ثقافتی نظام ہے۔ ثقافت وہ فکری و عملی فضا ہے جس میں انسان سوچتا، مانتا اور زندگی گزارتا ہے۔ انسانی افکار، عقائد، اقدار اور رویّوں کی تشکیل بڑی حد تک اسی ثقافتی ماحول کے

زیرِ اثر ہوتی ہے۔ اگر ثقافت مادّیت، عصبیت یا بے راہ روی سے آلودہ ہو تو یہی عناصر اجتماعی شعور کا حصہ بن جاتے ہیں، اور اگر وہ توحید، عدل اور اخلاقی پاکیزگی سے آراستہ ہو تو یہی اقدار نسلوں کی فکری بنیاد بن جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے ثقافت محض عقائد کا مظہر نہیں بلکہ ان کی تشکیل اور تبدیلی کا ایک نہایت مؤثر ذریعہ بھی ہے۔

قرآنِ مجید نے اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے اصلاحِ معاشرہ کا آغاز فکری و اعتقادی بنیادوں کی تبدیلی سے کیا اور تدریجاً ایک نئی تہذیبی و ثقافتی فضا قائم کی۔ بعثتِ نبوی کے بعد جو انقلاب برپا ہوا وہ صرف سیاسی تبدیلی نہیں تھا بلکہ ایک ہمہ گیر ثقافتی تشکیلِ نو تھی جس نے تصورِ خدا، تصورِ انسان اور اجتماعی اقدار کو از سرِ نو متعین کیا۔ قرآن پہلے فکر کو بدلتا ہے، پھر اخلاق کو سنوارتا ہے، اور آخرکار معاشرتی ڈھانچے کو نئی بنیادوں پر استوار کرتا ہے۔

بیان مسئلہ

انسانی معاشرہ ایک ثقافتی وجود ہے۔ فرد کی سوچ، عقیدہ، اقدار اور طرزِ عمل محض ذاتی انتخاب کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ ایک مخصوص ثقافتی فضا میں تشکیل پاتے ہیں۔ ثقافت دراصل وہ اجتماعی شعور ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتا ہے اور افراد کے افکار و عقائد کو خاموشی سے متعین کرتا رہتا ہے۔ اسی لیے کسی بھی پائیدار سماجی تبدیلی کے لیے ثقافتی بنیادوں کی اصلاح ناگزیر ہوتی ہے۔ ثقافت محض رسوم و روایات کا مجموعہ نہیں بلکہ عقائد، اقدار، طرزِ فکر اور اجتماعی رویّوں کی وہ ہمہ گیر فضا ہے جو فرد اور معاشرہ دونوں کو متاثر کرتی ہے۔

موجودہ دور میں ثقافتی تبدیلی کی رفتار غیر معمولی طور پر تیز ہو چکی ہے۔ غلط عقائد، برے اخلاق اور فحاشی بھی ثقافتی ذرائع کے ذریعے فروغ پاتی ہے۔ عالمگیریت، ذرائع ابلاغ، معاشی دباؤ اور فکری یلغار نے مسلم معاشروں کی تہذیبی ساخت کو گہرے چیلنج سے دوچار کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں عقائد میں ابہام، اخلاقی معیارات میں نسبیت اور دینداری میں سطحیت پیدا ہو رہی ہے۔

یہ ثقافتی تبدیلی اکثر غیر شعوری، غیر منظّم اور بیرونی اثرات کے زیرِ اثر وقوع پذیر ہو رہی ہے، جبکہ قرآنِ مجید ایک جامع اور اصولی منہج پیش کرتا ہے جو ثقافت کو وحی، عقل، عدل اور تقویٰ کی بنیاد پر تشکیل دینے کی دعوت دیتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے کو ایسے اصول فراہم کیے جائیں جن کی روشنی میں اسلامی ثقافت اپنی اصل روح کے ساتھ برقرار رہے اور بیرونی ثقافتی اثرات اسلامی معاشرے کے عقائد، اخلاق اور دینی شناخت کو متاثر نہ کر سکیں۔

ثقافت کی تعریف

ثقافت دراصل اُن روایات، اعتقادات، رسوم و آداب اور انفرادی یا خاندانی اخلاقی اقدار کا مجموعہ ہے جن کی

پابندی کسی قوم یا گروہ کے افراد کرتے ہیں اور انہی امور سے وابستگی اور التزام کے باعث وہ دیگر اقوام اور قبائل سے امتیاز اور تشخص حاصل کرتے ہیں۔

بالفاظِ دیگر، ثقافت کسی فرد یا مخصوص جماعت کے اعتقادی و فکری تصورات کا مجموعہ ہے۔ چونکہ اعتقادات اپنی ماہیت کے اعتبار سے ذہنی اور باطنی نوعیت رکھتے ہیں، اس لیے ثقافت کی کوئی مستقل اور مادی (عینی) صورت موجود نہیں ہوتی بلکہ وہ انسانی فکر و شعور کے دائرے میں وجود پذیر ہوتی ہے۔[1]

1۔ قرآن میں ثقافت کے دین پر اثرات کے نمونہ

ثقافت کسی قوم کے اعتقادات، اقدار اور طرزِ فکر کا باطنی و معنوی نظام ہے جو اس کی شناخت تشکیل دیتا ہے۔ تمدّن اُس قوم کی مادی ترقی، سماجی تنظیم اور عملی نظامِ حیات کا خارجی اظہار ہے۔ یہاں ہم اختصار کے پیش نظر فقط دو مورد کو بیان کریں گے۔

1-1۔ اندھی تقلید کی ثقافت

قرآن کے مطابق یہ ایک عام مگر اہم ثقافتی حقیقت ہے کہ لوگ عموماً وہی دین اختیار کرتے ہیں جو ان کے آباؤ و اجداد نے اپنایا ہوتا ہے۔ اگر آج بھی معاشرتی تجربہ کیا جائے تو یہی رجحان سامنے آتا ہے کہ بڑی تعداد میں افراد اپنے خاندانی مذہب اور روایتی عقائد پر قائم رہتے ہیں، انہی کے دلائل کو حق سمجھتے ہیں اور انہی کی ثقافت کو برقرار رکھتے ہیں، گویا یہ روایت ان کی فکری اور سماجی شناخت کا حصہ بن چکی ہوتی ہے۔

تاہم قرآن نے ایسی ثقافت کی سخت مذمت کی ہے جس کی بنیاد غیر معقول اور غیر شعوری تقلید پر ہو، کیونکہ اس صورت میں دین کا معیار عقل و فہم کے بجائے محض وراثت اور رسم و رواج بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس، قرآن نے اس ثقافت کی تشکیل پر زور دیا ہے جو شعور، عقل اور ہدایت پر استوار ہو، تاکہ انسان اپنے عقائد کو فکری بصیرت اور شعوری ادراک کے ساتھ اختیار کرے اور اندھی تقلید کے دباؤ سے آزاد ہو۔

قرآنِ مجید نے تقلیدِ آباء کو محض ایک اعتقادی انحراف نہیں بلکہ ایک ثقافتی جمود کی علامت قرار دیا ہے، کیونکہ ہر معاشرے کی ثقافت اپنے عقائد، رسوم، اقدار اور اجتماعی حافظے سے تشکیل پاتی ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق جب لوگوں سے کہا جاتا تھا کہ وہ وحی الٰہی کی پیروی کریں تو وہ اکثر یہ جواب دیتے تھے کہ ہم تو اسی راستے پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے۔ :وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا (170:2) ترجمہ: "اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔" تو دراصل وہ اپنے پورے ثقافتی نظام—قبائلی

روایات، موروثی عقائد اور سماجی اقدار ـــــ کا دفاع کر رہے ہوتے تھے۔ یہ آیات اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ اگر ان کے آباؤ واجداد شعور و ہدایت رکھنے والے لوگ ہوتے تو ان کی پیروی جائز اور مفید ہوتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے پیشرو خود نہ تو آگاہ و دانشمند تھے اور نہ ہی ہدایت یافتہ رہنما تھے۔ اسی لیے اندھی تقلید ان کی گمراہی اور تباہی کا سبب بنی، جس کی قرآن نے سخت مذمت کی ہے۔ یہ وہ تقلید ہے جو نادانی سے نادانی تک منتقل ہوتی رہتی ہے اور پورے معاشرے کو فکری جمود میں مبتلا رکھتی ہے۔

مزید یہ کہ قرآن اس کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے کہ جب حق کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو ایسے لوگ اسے سمجھنے اور قبول کرنے کے بجائے محض سطحی آواز اور شور کی طرح سنتے ہیں، گویا وہ ایسی قوم کی مانند ہیں جو پکارنے والے کی بات کو ادراک اور شعور کے ساتھ نہیں بلکہ غیر شعوری ردِ عمل کے طور پر سنتی ہے۔[2]

قرآن تعلیمات کے مطابق اندھی تقلید کی ثقافت کی جڑیں بہت پرانی ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (23:43) ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی گاؤں میں بھی کوئی ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے دولت مندوں نے (یہی) کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہیں کے پیرو ہیں۔"

در حقیقت ان کی خلاف ورزیوں اور بت پرستی کی ایک بڑی وجہ ایک اور طرح کی بت پرستی تھی، جسے آباؤ واجداد کے خرافاتی آداب و رسوم کے سامنے بلا شرط تسلیم کہا جا سکتا ہے۔ گویا وہ محض "آباؤ واجداد" کے نام کو ہی اپنے عقائد اور رسومات کی صحت و جواز کے لیے کافی دلیل سمجھ لیتے تھے۔[3]

اس آیت کے پیشِ نظر زمانے میں معاشرے میں موجود ثقافتی اور سماجی رویے عقائد کی بقا یا تبدیلی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ قرآن یہاں واضح کرتا ہے کہ انبیاء کی دعوت کے باوجود معاشرہ اکثر اپنے آباؤ واجداد کے دین و رسم و رواج پر قائم رہتا ہے۔ دولت مند یا معزز افراد، جن کی رائے اور اثر زیادہ ہوتا ہے، یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہ اپنے آباؤ واجداد کے طریقے پر عمل کر رہے ہیں اور انہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ یہ رویہ دراصل اندھی تقلید کی ثقافت کی عکاسی کرتا ہے، جہاں لوگ بغیر تحقیق اور فہم کے روایت کی پیروی کرتے ہیں۔ نتیجتاً سماجی اور ثقافتی دباؤ اکثر افراد کو دلیل اور ہدایت کی روشنی میں فیصلہ کرنے سے روکتا ہے، اور اسی وجہ سے عقائد میں پائیدار تبدیلی صرف فکری اور شعوری اصلاح کے ذریعے ہی ممکن ہوتی ہے۔

قرآن نے بڑے صریح الفاظ میں باطل عقائد کی اصلی جڑ پر ہاتھ رکھا ہے اور یہ بتایا ہے کہ لوگ حق کو نہیں اپناتے بلکہ اندھی تقلید اور سماجی روایات کی وجہ سے اپنے آباؤ واجداد کے دین پر قائم رہتے ہیں۔ اس آیت کے مطابق باطل عقائد کی بقا کا سب سے بڑا سبب یہ ثقافتی یلغار ہے جو معاشرے میں رائج ہے ـــــ یعنی ایک ایسا سماجی ماحول

جہاں روایت اور اندھی پیروی کو دلیل اور شعور پر فوقیت حاصل ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر معاشرے میں عقائد کی درستگی اور فکری بیداری مطلوب ہو تو سب سے پہلے اس ثقافتی فضا کو تبدیل کرنا ضروری ہے، تاکہ افراد اندھی تقلید کے دباؤ سے آزاد ہو کر عقل، شعور اور ہدایت کی روشنی میں اپنا عقیدہ اختیار کریں۔ اس آیت کی تعلیمات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ حقیقی اصلاح کا آغاز صرف فکری اور اعتقادی سطح سے ہوتا ہے، کیونکہ جب عقائد شعوری اور استدلالی بنیادوں پر قائم ہوں گے تبھی معاشرتی ثقافت خود بخود اصلاح کی جانب بڑھتی ہے۔

1-2-دین میں تحریف کی ثقافت

قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی بے دینی اور اخلاقی پستی کی سب سے وجہ بیان کی کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ چند مخصوص افراد یا دنوں کے علاوہ انہیں جہنم کا خوف نہیں، جو ایک اندھی ثقافتی ذہنیت کی نشانی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کے اخلاقی جرائم کو ذکر کیا جیسا کہ اللہ نے فرمایا! فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ (79:2) ترجمہ: "سو افسوس ہے ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے کچھ روپیہ کمائیں، پھر افسوس ہے ان کے ہاتھوں کے لکھنے پر اور افسوس ہے ان کی کمائی پر۔"

قرآن مزید فرماتا ہے۔ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ (4:46) ترجمہ: وہ (کلمات) کو ان کے اصل مقام سے ہٹا دیتے ہیں۔ دین میں تحریف ان کی ثقافت کا ایک نمایاں مظہر بن چکی تھی۔ اس کا ایک طریقہ الٰہی کلمات میں تبدیلی کرنا تھا۔ کلماتِ خداوندی کی تحریف اور انہیں ان کے اصل مقامات سے بدل دینا دراصل قساوتِ قلب کا نتیجہ ہے جس میں انسان ان کی حفاظت کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا اور ان کی ضبط و نگہداشت کا پابند نہیں رہتا۔ نتیجتاً وہ آسمانی کلمات کو اپنی خواہشات، میلانِ طبع یا فکری رجحانات کے مطابق تبدیل کر دیتا ہے یا ان کی من مانی تاویل پیش کرتا ہے۔ [4]

یہ بنی اسرائیل کی ثقافت کا حصہ بن چکا تھا کہ وہ معمولی دنیاوی فائدے کے لیے دین کو فروخت کر دیتے تھے۔ یہ عمل چند افراد تک محدود نہیں تھا بلکہ ایک قابلِ ذکر طبقہ اس میں ملوث تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پوری قومِ بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا۔ اسی فکری و عملی رجحان کو بعض حلقوں نے اسلام میں منتقل کرنے کی بھی کوشش کی، اور آج بھی اس نوعیت کی کوششیں مختلف صورتوں میں جاری ہیں۔ چنانچہ اسلامی علمی روایت میں ایک مستقل بحث "اسرائیلیات" کے عنوان سے معروف ہے، جس میں ان غیر مستند روایات کی تحقیق اور تنقید کی جاتی ہے جو یہودی و اسرائیلی مصادر سے منقول ہو کر تفسیر و حدیث کے ذخیرے میں داخل ہو گئی ہیں۔

1-3- ذاتی برتری کے عقیدے کی ثقافت

اللہ تعالیٰ نے جب بنی اسرائیل کی اس اخلاقی بیماری کو ذکر کیا تو ساتھ یہ بھی ذکر کیا کہ اس کی وجہ کیا ہے فرمایا! وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۚ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ ۖ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (80:2) ترجمہ: "اور کہتے ہیں ہمیں سوائے چند گنتی کے دنوں کے آگ نہیں چھوئے گی، کہہ دو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے کہ ہر گز اللہ اپنے عہد کا خلاف نہیں کرے گا، یا تم اللہ پر وہ باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔"

بنی اسرائیل کا یہ عقیدہ کہ انہیں آگ چند دنوں کے سوا نہیں چھوئے گی، ایک فکری و اخلاقی انحراف کا سبب بنا، جو نسل در نسل منتقل ہوتا رہا اور اس کے نتیجے میں معاشرے میں اخلاقی کمزوری اور دینی احساسِ ذمہ داری میں کمی پیدا ہوئی۔

1-4- ناپ تول میں کمی کی ثقافت

قرآنِ کریم میں قومِ شعیبؑ (اہلِ مدین) کے تذکرے کے ضمن میں واضح کیا گیا ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنا ایک انفرادی بددیانتی نہیں بلکہ ایک رائج معاشرتی ثقافت بن چکا تھا، چنانچہ سورۂ الاعراف (85:7) اور سورۂ ہود (84-11:85) میں حضرت شعیبؑ اپنی قوم کو حکم دیتے ہیں کہ ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کریں اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کریں، جبکہ سورۂ المطففین (83 :1-3) میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت کی وعید سنائی گئی ہے؛ حضرت شعیب ع نے فرمایا! وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۖ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ * وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (11:85-84) ترجمہ: "اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، کہا اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اور ناپ اور تول کو نہ گھٹاؤ، میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور تم پر ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اور اے میری قوم! انصاف سے ناپ اور تول کو پورا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔"

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاشی بے انصافی ان کے اجتماعی رویّے اور تجارتی نظام کا حصہ بن گئی تھی، جس کی اصلاح کے لیے قرآن نے عدل، تقویٰ اور جوابدہیِ آخرت کے تصور کو بنیاد بنا کر ایک ہمہ جہت اخلاقی و ثقافتی اصلاحی منہج پیش کیا۔

5-1۔طبقاتی نظام کی ثقافت

دینی تعلیمات میں تمام انسان برابر ہیں۔ قرآن نے انسانوں کو ذاتوں میں تقسیم کرنے کی نفی کی ہے۔ قرآن میں فرعون کے بارے میں نقل ہوا ہے! اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَعًا يَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ يُذَبِّحُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَيَسۡتَحۡيٖ نِسَآءَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ (4:28) ترجمہ: "بے شک فرعون زمین پر سرکش ہو گیا تھا اور وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ کر دیے تھے ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا ان کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا، بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا۔" إِنَّ پھر تفصیل سے بیان کیا کہ «إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ» فرعون نے زمین میں سرکشی اور برتری اختیار کی، حالانکہ وہ ایک کمزور بندہ تھا جو جہالت کے باعث خدائی کا دعویٰ کرنے لگا۔

اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے اس نے بڑے جرائم کیے؛ سب سے پہلے «وَ جَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا» اس نے لوگوں کو گروہوں میں تقسیم کیا تاکہ تفرقہ ڈال کر حکومت کرے، کیونکہ وہ اتحاد اور کلمۂ توحید سے خوفزدہ تھے۔ اس نے مصر کے لوگوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا: ایک حکمران طبقہ اور دوسرا بنی اسرائیل جو غلام بنا دیے گئے۔ اس کا دوسرا جرم یہ تھا کہ «يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَ يَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ» یعنی وہ ایک گروہ کو کمزور کرتا، ان کے بیٹوں کو قتل کرتا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تاکہ ان کی قوتِ مزاحمت ختم ہو جائے۔[5] یعنی اس نے طبقاتی تقسیم کو ایک سیاسی و سماجی ثقافت میں بدل دیا۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن معاشرتی انحراف کو ثقافتی ساخت سے جوڑ کر دیکھتا ہے؛ جب باطل عقائد، ظلم، معاشی بددیانتی یا طبقاتی غرور اجتماعی روایت بن جائیں تو وہ ثقافت کی صورت میں جڑ پکڑ لیتے ہیں، اور ان کی اصلاح کے لیے قرآن ایک نئی فکری و اخلاقی ثقافت ـــ تقویٰ، عدل اور توحید پر مبنی ـــ قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

طبقاتی نظام خواہ سیاسی نوعیت کا ہو یا اس میں انسانوں کو ذات و نسل کی بنیاد پر کم تر سمجھا جائے، ایسی ثقافت دراصل ظلم کے لیے زمین ہموار کرتی ہے۔ قرآن نے اس طرزِ فکر کی شدید مخالفت کی ہے اور اس کے مقابلے میں مساوات پر مبنی ثقافت کو فروغ دینے پر زور دیا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں برتری کا معیار تقویٰ ہو تو لوگ تقویٰ کے حصول کی کوشش کرتے ہیں لیکن اگر تقویٰ معیار نہ رہے تو متقی افراد ہی تنقید اور نشانے پر آ جاتے ہیں۔ نتیجتاً ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں بے دینی کو فروغ ملتا ہے۔ اسی لیے قرآنی منہج یہ ہے کہ متقی افراد کو معاشرے میں عزت و وقار حاصل ہو۔

1-6- عورتوں کی تحقیر کی ثقافت

قبل از اسلام عرب معاشرے میں عورت کے بارے میں ایک مخصوص جاہلی ثقافت رائج تھی جو اجتماعی رویّوں اور رسم و رواج کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ اس ثقافت کے تحت بیٹی کی پیدائش کو باعثِ شرمندگی سمجھا جاتا اور اس خوشخبری پر والد یا خاندان کے چہرے سیاہ ہو جاتے تھے، جیسا کہ قرآن فرماتا ہے۔ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (16 :58-59)، لڑکیوں کو، جنہیں وہ خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، حاضر نہیں تھے انہیں اپنے لیے بھی قبول کریں، اور اصل میں لڑکی ان کے لیے عیب، ننگ، اور رسوائی و بدبختی کا سبب تصور کی جاتی تھی! "اور بیٹی کی بشارت پر ان کا چہرہ کالا ہو جاتا ہے" اور (وَ هُوَ كَظِيمٌ) "اور وہ اپنے غصے اور رنج کو اندر ہی دبائے رکھتا ہے"۔ کار یہاں ختم نہیں ہوتا۔ وہ اس ننگ و عار سے بچنے کے لیے، جو اس کی غلط سوچ کے مطابق اس پر چھایا ہوا ہے، اپنے قوم و قبیلے سے اس بری خوشخبری کی وجہ سے (يَتَوارى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ ما بُشِّرَ بِهِ) "مخفی ہو جاتا ہے"۔ مزید برآں، موضوع ختم نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہمیشہ اس سوچ میں ڈوبا رہتا ہے کہ: "کیا وہ اس ننگ کو قبول کرے اور لڑکی کو پالے، یا اسے زندہ دفن کر دے؟ [6]" اور بعض قبائل میں بچیوں کو زندہ دفن کرنے کی سفاک رسم رائج تھی۔ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ (81 :8-9)۔ ترجمہ: اور جب کسی مردہ بچی سے پوچھا جائے گا کہ اسے کس گناہ کی وجہ سے مارا گیا۔ بچیوں کو زندہ درگور کرنا ایک ثقافتی رویّہ بن چکا تھا، جیسا کہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ اگرچہ بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ عمل تمام عرب قبائل میں عام نہیں تھا اور صرف بعض قبائل مثلاً "کندہ" یا چند دیگر قبائل میں پایا جاتا تھا، تاہم یہ یقیناً کوئی نادر واقعہ بھی نہیں تھا، ورنہ قرآن مجید اس پر اس قدر تاکید اور تکرار کے ساتھ گفتگو نہ کرتا۔ بہر حال یہ عمل اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی ہولناک تھا، حتیٰ کہ اس کے نسبتاً نادر نمونے بھی غور و تحقیق کے لائق ہیں۔

مفسرین کے مطابق دورِ جاہلیت میں بعض لوگ جب بچی کی ولادت کا وقت قریب آتا تو وہ زمین میں گڑھا کھود لیتے، پھر اگر پیدا ہونے والا بچہ لڑکی ہوتا تو اسے اس گڑھے میں پھینک دیا جاتا اور اگر لڑکا ہوتا تو اسے زندہ رکھا جاتا۔[7] عورت کو وراثت میں حصہ دینے کی بجائے محروم رکھا جاتا، اور اسے مرد کے تابع یا مال کی طرح سمجھا جاتا، جبکہ قرآن نے اس رویّے کی اصلاح فرماتے ہوئے عورت کو قانونی حق دیا: لِّلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (4:7)۔ اس جاہلی ثقافت نے عورت کو سماجی، معاشی اور قانونی طور پر کمزور کر دیا تھا، اور قرآن نے اسی اجتماعی رویّے کے خلاف واضح احکام اور اخلاقی اصول پیش کرکے عورت کو انسانی وقار، حقوق اور معاشرتی اہمیت عطا کی۔

مختصر یہ کہ عورتوں کو جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات عورت خود بھی وراثت کا حصہ سمجھی

جاتی تھی اور مرد اس کو اپنے قبضے میں لے لیتے تھے۔ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا یَحِلُّ لَکُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ کَرْهًا (4:4) ترجمہ: "اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کو وراثت میں لے لو۔" اس کے علاوہ عورت کو اپنی شادی کے فیصلے میں کوئی اختیار نہیں تھا۔ اس کا نکاح اکثر قبیلے یا خاندان کے مفاد کے مطابق طے کر دیا جاتا تھا۔ جب کوئی مرد فوت ہو جاتا تو اس کی بیوی کو اس کے بیٹوں یا قریبی رشتہ داروں کی ملکیت سمجھ لیا جاتا تھا۔ وہ چاہیں تو اس سے نکاح کر لیتے یا اسے کسی اور سے نکاح کرنے سے روک دیتے۔ مرد کو طلاق کا تقریباً غیر محدود اختیار حاصل تھا جبکہ عورت کے پاس عملاً اس کے خلاف کوئی مؤثر قانونی تحفظ موجود نہیں تھا۔ عورت کو معاشرے میں کم تر حیثیت دی جاتی تھی۔ وہ زیادہ تر مرد کی ملکیت یا خدمت گزار سمجھی جاتی تھی اور اس کی رائے کو فیصلہ سازی میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہوتی تھی۔

2۔ ثقافت میں تبدیلی کے اصول

قرآن اور تربیت کی روشنی میں تبدیلی کے بنیادی اصول درج ذیل ہیں:

1۔2۔ تبدیلی کا عزم

ثقافت کی تبدیلی ایک ہمہ جہت اور تدریجی عمل ہے جو انسان کے باطن سے شروع ہو کر معاشرے کی اجتماعی ساخت تک اثر انداز ہوتا ہے۔ جب تک فرد اور قوم اپنے افکار، اقدار اور عملی رویّوں کی اصلاح کا پختہ عزم نہ کریں، اس وقت تک کوئی بیرونی تدبیر پائیدار نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ اسی بنیادی اور آفاقی اصول کو قرآنِ مجید نے نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے:: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (11:13)۔ ترجمہ: "بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں۔" آیت میں دو پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت عطا فرمائی ہو تو جب تک لوگ خود اس نعمت کی قدر کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ اسے ان سے سلب نہیں فرماتا۔ اس اصول کی ایک مثال موجودہ دور میں بعض لوگ انقلابِ اسلامی ایران کے حوالے سے پیش کرتے ہیں، جسے وہ ایک بڑی نعمت قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ نعمت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک معاشرہ اس کی قدر اور شکر گزاری کرتا رہے۔

اسی طرح بعض لوگ حجاب کو بھی ایک اجتماعی نعمت سمجھتے ہیں، اور ان کے نزدیک اگر معاشرہ اس کی ناقدری کرے، اسے کم تر سمجھے اور بے حجابی کو فروغ دے، تو اس کے سماجی اثرات تبدیل ہو سکتے ہیں۔

اس عمومی تصور کے تحت یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ ثقافت کی سمت کا تعین خود معاشرہ کرتا ہے؛ بری ثقافت نسبتاً آسانی سے رائج ہو جاتی ہے، جبکہ اچھی اور مثبت ثقافت کو قائم رکھنے یا پروان چڑھانے کے لیے شعوری

فکر، منصوبہ بندی اور مسلسل کوشش درکار ہوتی ہے۔

الکافی میں علی بن ابراہیم اپنے والد سے، ۔۔۔ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے اللہ عزّوجل کے اس فرمان فَقالُوا رَبَّنا باعِدْ بَيْنَ أَسْفارِنا وَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ (19:34) کے بارے میں سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: یہ وہ لوگ تھے جن کی بستیاں باہم متصل تھیں، ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے، نہریں جاری تھیں اور مال و دولت فراوان تھا، مگر انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اپنی باطنی حالتِ عافیت کو بدل ڈالا تو اللہ نے بھی ان پر نازل نعمت کو بدل دیا، کیونکہ وَ إِنَّ اللهَ لا يُغَيِّرُ ما بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا ما بِأَنْفُسِهِمْ، پس اللہ نے ان پر سَيْلَ الْعَرِمِ (16:34) بھیج دیا جس نے ان کی بستیوں کو غرق اور گھروں کو ویران کر دیا، اموال تباہ کر دیے اور ان کے باغوں کے بدلے انہیں جَنَّتَيْنِ ذَواتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَ أَثْلٍ وَ شَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ (16:34) عطا کیے، پھر فرمایا «ذلِكَ جَزَيْناهُمْ بِما كَفَرُوا وَ هَلْ نُجازِي إِلَّا الْكَفُورَ (17:34)؛ اسی طرح قرب الاسناد میں امام علی بن موسیٰ الرضاؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے «إِنَّ اللهَ لا يُغَيِّرُ ما بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا ما بِأَنْفُسِهِمْ وَ إِذا أَرادَ اللهُ بِقَوْمٍ سُوْءاً فَلا مَرَدَّ لَهُ» کی آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ قدریہ اس کے پہلے حصے سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ درست مفہوم یہ نہیں، کیونکہ خود اللہ فرماتا ہے۔ وَ إِذا أَرادَ اللهُ بِقَوْمٍ سُوْءاً فَلا مَرَدَّ لَهُ اور حضرت نوحؑ نے کہا! وَ لا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كانَ اللهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ (34:11)، پس حقیقت میں امر اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔[8]

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ تقدیر یا اجتماعی حالت کی تبدیلی کا آغاز دراصل اندرونی انقلاب سے ہوتا ہے؛ یعنی نیت کی اصلاح، فکر کی تطہیر اور عمل کی درستی وہ بنیادی عوامل ہیں جن پر کسی بھی نئی ثقافت کی تعمیر قائم ہوتی ہے۔ اسی مفہوم کو مزید وضاحت کے ساتھ ایک دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا گیا ہے: ذٰلِكَ بِأَنَّ اللهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (53:8)۔ ترجمہ: "یہ اس لیے کہ اللہ کسی قوم پر کی ہوئی اپنی نعمت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اندر کی حالت کو نہ بدل دیں۔"

ان دونوں آیات سے یہ اصول مستحکم ہوتا ہے کہ زوال اور عروج دونوں کا مدار انسان کے داخلی رویّے پر ہے۔ کوئی قوم جس ثقافت کو قائم رکھنا چاہتی ہے یا جس سے نکلنا چاہتی ہے، اس کا فیصلہ اس کے باطنی ارادے اور اجتماعی شعور پر منحصر ہوتا ہے۔ معاشرے میں مثبت ثقافت کے فروغ کے لیے پہلے مرحلے میں یہ پختہ عزم ضروری ہے کہ اسے اختیار کیا جائے اور اس کی حفاظت کی جائے۔ اگر کوئی قوم اخلاقی انحراف کو اختیار کر لے تو اس کے نتیجے میں زوال اس کا لازمی انجام بن جاتا ہے۔ لہٰذا ثقافت میں حقیقی، مثبت اور پائیدار تبدیلی کے لیے سب سے پہلی

اور بنیادی شرط عزمِ راسخ اور باطنی اصلاح ہے؛ یہی وہ قرآنی منہج ہے جو فکر سے کردار اور فرد سے معاشرہ تک تبدیلی کی منظّم راہ ہموار کرتا ہے۔

2۔2۔ سماجی انصاف اور قرآنی ثقافتِ عدل

قرآنِ مجید نے متعدد مقامات پر یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ معاشرتی انحرافات دراصل اُن باطل ثقافتی رویّوں کا نتیجہ ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ اجتماعی عادت اور فکری سانچے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً قومِ شعیب کے ہاں معاشی بدعنوانی ایک سماجی روایت بن چکی تھی، چنانچہ انہیں تنبیہ کی گئی۔ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ (181:26) ترجمہ: پیمانہ پورا دو اور نقصان دینے والے نہ بنو۔ جو اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ ناپ تول میں کمی ایک فردی نہیں بلکہ ثقافتی برائی بن چکی تھی۔ جیسا کہ سورہ ہود میں بیان ہوا کہ حضرت شعیب نے فرمایا: وَيَا قَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (85:11) ترجمہ: "اور اے میری قوم! انصاف سے ناپ اور تول کو پورا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔" قوم نے جواب دیا: انہوں نے کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے یا اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں بے شک تو بڑا بردبار اور نیک چلن ہے۔۔ (87:11)

پس معاشرتی انحرافات کو روکنے کے لیے سب سے بنیادی شرط معاشرے میں عدل و انصاف اور مساوات کا قیام ہے۔ ظلم و ناانصافی اس وقت جنم لیتی ہے جب عدل و انصاف کو پامال کر دیا جائے۔ جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانے میں ناپ تول میں کمی ایک عام سماجی رویّہ بن چکا تھا، اسی طرح موجودہ دور میں بھی جعلی اور دو نمبر اشیاء کی تجارت ایک ابھرتی ہوئی منفی ثقافت بنتی جا رہی ہے۔ اسے بروقت روکنا اور اس کے مقابلے میں سماجی عدل و انصاف کی ثقافت کو فروغ دینا ناگزیر ہے۔

2۔3۔ عقل، شعور کو معیار بنانا

قرآن نے جہاں اندھی تقلید کی شدید مذمت کی وہاں اس کا راہ حل بھی دیا۔ جب کفار اور مشرکین نے بقرہ 170 اور زخرف 23 کے پیش نظر، حق کو قبول نہ کرنے کی وجہ بتائی کہ وہ اپنے آباؤ واجداد کے دین کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس لیے وہ ایمان نہیں لائیں گے تو قرآن نے فوراً سوال اٹھایا: أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (170:2) ترجمہ: "کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ پائی ہو؟ تب بھی وہی ثقافت زندہ رکھیں گئے۔" پس قرآن نے ایک اصول دیا کہ ایسی ثقافت قابل قبول نہیں جس کی بنیاد میں محض

جہالت ہو بلکہ اگر ایسی ثقافت ہو جس کی بنیاد معقول اور ہدایت کے ساتھ ہو تو ثقافت قابل قبول ہے۔
اس آیت کے پیشِ نظر ہدایت کا مفہوم محض راستہ پا لینے کا نام نہیں بلکہ شعوری بصیرت، عقلی بیداری اور حق کی معرفت کے ساتھ اس کی پیروی ہے۔ ہدایت وہ نورِ فکر ہے جو انسان کو روایت اور حقیقت میں فرق کرنا سکھاتا ہے اور اسے یہ جرات دیتا ہے کہ وہ محض آبائی ثقافت یا سماجی دباؤ کی بنیاد پر کسی رویّے کو قبول نہ کرے بلکہ عقل، وحی اور اخلاقی معیار پر اسے پرکھے۔ جب عقل معطل ہو جائے اور ہدایت کا چراغ بجھ جائے تو ثقافت جامد رسموں اور بے بنیاد تعصّبات کا مجموعہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا قرآنی منہج اندھی تقلید کو توڑ کر شعوری ہدایت اور ذمہ دارانہ انتخاب کی دعوت دیتا ہے، اور یہی ثقافت کی پائیدار اصلاح کی بنیاد ہے۔

4۔2۔ برتری کا معیار تقویٰ کو قرار دینا

اخلاق اور دینداری کا معاشرتی اثر تبھی واضح ہوتا ہے جب یہ شعوری اور معرفتی بنیادوں پر قائم ہوں، کیونکہ اسی صورت میں وہ ثقافت کی تشکیل میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ قرآنِ مجید نے اخلاقی انحراف اور بے دینی کی ایک بڑی وجہ اس ثقافتی یلغار کو قرار دیا ہے جس کی بنیاد خاندانی تفاخر اور نسلی برتری کے تصورات پر تھی۔ بعض اوقات لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خاندان، نسل یا آباؤ واجداد کی حیثیت ہی انسان کی قدر و منزلت کا معیار ہے، لیکن قرآن نے اس فکر کی سخت نفی کی ہے اور واضح کیا ہے کہ حقیقی شرف و فضیلت صرف تقویٰ اور اللہ کی اطاعت پر منحصر ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے: يا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْناكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَ أُنْثى وَ جَعَلْناكُمْ شُعُوباً وَ قَبائِلَ لِتَعارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (13:49) ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبائل میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، اور اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار (تقویٰ والا) ہے۔

"شعوب" کا لفظ "شعب" کی جمع ہے اور اس کا مطلب ایک بڑے قبیلے سے ہے جیسے قبیلہ ربیعہ یا مضر، جبکہ لفظ "قبائل" جمع ہے "قبیلہ" کا، جو شعب سے چھوٹا اجتماع اور اس کا حصہ یا تیرہ ہوتا ہے، جیسے تیم جو مضر کے ایک تیرہ ہے۔ بعض کے نزدیک یہ برعکس ہے اور چند چھوٹے شعب مل کر ایک قبیلہ بناتے ہیں، کیونکہ یہ ایک قبیلے سے منشعب ہوتے ہیں۔ راغب کے مطابق شعب وہ قبیلہ ہے جو کسی دوسرے قبیلے سے منشعب ہو، اور اس کا جمع شعوب ہے، جیسا قرآن میں آیا" :شُعُوباً وَ قَبائِلَ"۔ زمین کے لیے شعب چند وادیوں کے دامن یا حصے ہیں جو الگ نظر آتے ہیں یا آخر میں یکجا ہو جاتے ہیں، اسی لیے یہ لفظ کبھی اجتماع کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے "شعبت" یعنی "میں جمع ہوا"، اور کبھی تفرقہ کے لیے، جیسے" شعبت "یعنی "میں الگ ہو گیا"۔[9] اس آیت کی

روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ خاندانی یا قبائلی فخر کو معاشرتی یا ثقافتی معیار نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ ثقافت صرف رسم و رواج یا نسب کی بنیاد پر تشکیل پانا نہیں چاہیے۔ حقیقی ثقافت وہ ہے جو تقویٰ اور اخلاقی معیار پر استوار ہو، جہاں عقائد، رویے اور سماجی اقدار سب اللہ کی ہدایت اور شعوری فہم کے مطابق ہوں، اور اندھی تقلید یا وراثتی غرور کے اثرات کو ختم کرکے معاشرہ اصلاح پذیر اور فکری طور پر مضبوط بنائے۔

ثقافت میں حقیقی اور پائیدار تبدیلی کا معیار صرف علم، طاقت یا نسب نہیں بلکہ تقویٰ ہے، جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ "بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔" (13:49) نیز فرمایا: وَاتَّقُوا اللهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللهُ (282:2)—ترجمہ: "اللہ سے ڈرو، اور اللہ تمہیں سکھائے گا۔" یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ سماجی، ثقافتی یا اخلاقی برتری کا حقیقی پیمانہ تقویٰ ہے، اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر فرد اور معاشرہ اپنے افکار، رویّوں اور اقدار میں حقیقی اور پائیدار تبدیلی لا سکتے ہیں۔

5۔2۔انسانیت کو قدر کی نگاہ دینا

اسلامی ثقافت میں انسانی کرامت اور حقوق کی پاسداری بنیادی ستون ہے، اور یہ اصول نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی برقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بڑے واضح الفاظ میں فرمایا! وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (17:70) ترجمہ": اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی، اور انہیں خشکی اور سمندر میں سوار کیا، اور انہیں پاکیزہ رزق عطا کیا، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت دی۔ یہ آیت انسانی کرامت اور احترامِ انسانیت کی بنیادی قرآنی دلیل ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں انسان کو بحیثیت انسان عزت و شرف عطا کیا گیا ہے۔"

قرآنِ مجید نے انسانی جان و مال کی حرمت کو ہر حال میں لازمی قرار دیا ہے اور فرمایا: وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (33:17)—ترجمہ: اور جس جان کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے بغیر حق نہ مارو۔ میدان جنگ میں بھی بے گناہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر ظلم کرنے سے منع فرمایا گیا: رسول خدا ص کے بارے میں منقول ہے:

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ ع قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ص إِذَا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ سَرِيَّةً دَعَاهُمْ فَأَجْلَسَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ سِيرُوا بِسْمِ اللهِ وَ بِاللهِ وَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَ عَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ لَا تَغُلُّوا وَ لَا تُمَثِّلُوا وَ لَا تَغْدِرُوا وَ لَا تَقْتُلُوا شَيْخاً فَانِياً وَ لَا صَبِيّاً وَ لَا امْرَأَةً وَ لَا تَقْطَعُوا شَجَراً إِلَّا أَنْ تُضْطَرُّوا إِلَيْهَا وَ أَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أَدْنَى الْمُسْلِمِينَ أَوْ أَفْضَلِهِمْ نَظَرَ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَهُوَ جَارٌ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللهِ فَإِنْ تَبِعَكُمْ فَأَخُوكُمْ فِي الدِّينِ وَ إِنْ أَبَى فَأَبْلِغُوهُ مَأْمَنَهُ وَ اسْتَعِينُوا بِاللهِ عَلَيْهِ[10]

ترجمہ: "حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا دستے کو روانہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو انہیں بلاتے، اپنے سامنے بٹھاتے، پھر فرماتے: اللہ کے نام سے روانہ ہو، اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے، اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ ﷺ کے دین پر چلتے ہوئے۔ خیانت نہ کرنا، مُردوں کی بے حرمتی نہ کرنا، عہد شکنی نہ کرنا، کسی بوڑھے فانی کو قتل نہ کرنا، نہ کسی بچے کو اور نہ کسی عورت کو۔ اور درخت نہ کاٹنا مگر یہ کہ تمہیں مجبوری ہو۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی ادنی ہو یا افضل، اگر وہ مشرکوں میں سے کسی شخص کو امان دے دے تو وہ امان میں رہے گا یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اگر وہ تمہارا ساتھ قبول کرلے تو وہ دین میں تمہارا بھائی ہے، اور اگر انکار کرے تو اسے اس کی جائے امان تک پہنچادو، اور اس معاملے میں اللہ سے مدد طلب کرو۔"

یہ روایت اسلامی تعلیمات میں جنگی اخلاقیات، انسانی حرمت، غیر مسلموں کے حقوق اور امان و عدل کے اعلیٰ اصولوں کو واضح کرتی ہے۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے بھی انسانی مساوات اور احترام کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: "مَن لَم یَرحمْ صغِیرَنا ویُوَقِّرْ کَبِیرَنا فلیس منا" [11] ترجمہ: "جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔" اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی احسان کرو۔ ارشاد ربانی ہے۔ لا یَنْهاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذينَ لَمْ يُقاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَ لَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَ تُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطين (8:60) ترجمہ: "اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

دینِ اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ مذہب محض عقائد و عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ انسانیت کے وقار کا ایک ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ عہد کی پاسداری کا حکم قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں اس صراحت کے ساتھ دیا گیا: "إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا ... فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ)" (4:9) کہ جب تک وہ عہد پر قائم رہیں، تم بھی اپنے پیمان کو پورا کرو۔ اسی طرح عدل و انصاف کو آفاقی قدر قرار دیتے ہوئے فرمایا: "اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ" (8:5) ترجمہ: "انصاف کرو کہ یہی بات تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے۔" اور اگر وہ فیصلہ کے لیے آئیں تو ان کے ساتھ بھی عدل کرو "وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ" (42:5) ترجمہ: "اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان میں انصاف سے فیصلہ کر۔"

یہ وہ تعلیم ہے جو مذہبی اختلاف کو ظلم کا جواز نہیں بننے دیتی بلکہ عدالت کو ایمان کا تقاضا قرار دیتی ہے۔ امانت داری، وعدہ کی تکمیل، جان و مال کا تحفظ، اور اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی—یہ سب اس وسیع تر قرآنی منہج کا حصہ ہیں جس کی رو سے انسان پہلے انسان ہے، پھر کسی مذہب یا قوم کا فرد۔ یوں اسلام کا قانونی اور اخلاقی نظام اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ وہ انسانیت کو تفریق کے خانوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ عدل، رحمت اور احترام کے آفاقی اصولوں کے ذریعے ایک مہذب اور باوقار انسانی ثقافت کی بنیاد رکھتا ہے۔ اسی حدیث نبوی ص میں ہے، الْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ [12] ترجمہ: "مخلوق اللہ کی عیال (زیر کفالت) ہے، اور مخلوق میں سے وہ شخص اللہ کو زیادہ پسند ہے جو اس کی عیال سے اچھا سلوک کرتا ہے۔"

6۔2۔ خواتین کے حقوق کا تحفظ

اسلام نے خواتین کو حقوق اور وقار عطا کرکے ایک جدید اور انسانی ثقافت قائم کی، جو جاہلی معاشرت کے برعکس ہے۔ قرآنِ کریم نے عورت کو وراثت میں حصہ دیا: "لِّلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ" (7:4) اور نکاح میں اس کی رضامندی کو لازمی قرار دیا: "وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ" (19:4)۔ اسلام نے عورت کو نفقہ اور مالی تحفظ فراہم کیا، تعلیم اور شعور حاصل کرنے کا حق دیا، اور اسے معاشرتی اور اخلاقی سطح پر عزت و وقار عطا کیا۔

اسلام نے عورتوں کے لیے حقوق کا خیال رکھا۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (2:2) ترجمہ: "اور عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر ذمہ داریاں ہیں۔" نبی اکرم ﷺ نے بیٹیوں کو عزت دی۔ جیسا کہ حضرت فاطمہؓ جب حضور ﷺ کے پاس آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے، جو احترام اور مقام کا عملی مظاہرہ ہے۔ خواتین کو ازدواجی، معاشرتی اور قانونی حقوق دینے سے نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی ثقافت میں عدل، اخلاقیات اور توحیدی احترام قائم ہوا۔ آج بھی اس ثقافت کو زندہ رکھنا ضروری ہے تاکہ عورت کے حقوق محفوظ ہوں اور معاشرہ انسانی وقار کی بنیاد پر ترقی کرے۔ یہ روایت عربی متن میں یوں ہے:

عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلًّا بِرَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ فَاطِمَةَ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهَا، كَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ إِلَيْهَا فَأَخَذَ بِيَدِهَا وَقَبَّلَهَا وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ، وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَامَتْ إِلَيْهِ فَأَخَذَتْ بِيَدِهِ فَقَبَّلَتْهُ وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا۔[13] ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ جیسا اخلاق، حسنِ سلوک اور آداب والا نہیں دیکھا جس طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے۔ جب وہ حضور ﷺ کے پاس داخل ہوتیں تو آپ ﷺ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ پکڑتے، انہیں بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر

بٹھاتے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں داخل ہوتے تو وہ بھی ان کے لیے کھڑی ہوتیں، ان کا ہاتھ پکڑتی، انہیں بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔"

7-2-ترویجِ ثقافتِ علم

ثقافتی تبدیلی کا حقیقی اور پائیدار راستہ علم و شعور کو معیار بنانے سے ہموار ہوتا ہے۔ جب معاشرہ جذبات، تقلیدِ جامد اور نسلی تفاخر کے بجائے علمِ نافع اور بیدار شعور کو اپنی اقدار کا محور بناتا ہے تو اس کی تہذیبی سمت درست ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید نے سب سے پہلے انسانی ارتقا کا دروازہ ہی علم سے کھولا: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ (1:96) ترجمہ: "اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے سب کو پیدا کیا۔ یہ حکم دراصل اعلان ہے کہ کسی بھی تبدیلی کی بنیاد فکری بیداری اور معرفتِ رب ہے۔" اسی طرح قرآن علم اور جہالت کے فرق کو یوں نمایاں کرتا ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (9:39) ترجمہ: "کہہ دو کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔" یہ استفہامِ انکاری اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ علم رکھنے والے ہی صحیح معیارِ فکر و عمل قائم کر سکتے ہیں۔ جب تک شعور کی روشنی نہ ہو، ثقافت رسموں کا ہجوم اور رویّوں کا جمود بن جاتی ہے۔ قرآنی کی بہت سی آیات میں علم اور اہل علم کو فوقیت دی گئی گویا ایک ایسی ثقافت کو زندہ کرنی کی کوشش کی گئی جہاں علم اور شعور کی قیادت ہو۔ يَرْفَعِ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (11:58) ترجمہ: اللہ تم میں سے ایمان والوں کو اور جنہیں علم عطا کیا گیا ہے، بلند درجات عطا فرماتا ہے۔

احادیثِ نبویہ میں بھی علم کو تہذیبی اصلاح کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ[14] ترجمہ: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔" اور ایک اور مقام پر فرمایا: مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ[15] ترجمہ: "جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی گہری سمجھ عطا کر دیتا ہے۔" یہ تعلیمات واضح کرتی ہیں کہ خیر و فلاح کا دروازہ فہمِ دین اور شعورِ حقیقت سے کھلتا ہے۔ پس اسلامی ثقافت زندہ کرنی ہو تو علم اور اہل علم کو فوقیت دینی چاہیے، جب علم معیار بنے اور شعور رہبر، تو ثقافت محض وراثت نہیں رہتی بلکہ شعوری انتخاب بن جاتی ہے؛ اقدار رسم سے اٹھ کر دلیل پر قائم ہوتی ہیں، اور معاشرہ اندھی پیروی سے نکل کر بصیرت کی راہ اختیار کرتا ہے۔ یہی وہ انقلاب ہے جو دلوں میں شروع ہو کر تاریخ کا رخ بدل دیتا ہے۔

نتیجہ

سماج میں ثقافتی تبدیلی ایک پیچیدہ اور ہمہ جہتی عمل ہے جو فرد اور معاشرے کے عقائد، اخلاق، رویّوں اور علمی

معیار کو متاثر کرتا ہے۔ تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حقیقی اور پائیدار تبدیلی کے لیے ایک اصولی اور فکری فریم ورک ضروری ہے، جسے قرآنِ مجید نے واضح طور پر پیش کیا ہے۔ قرآن ہمیں سکھاتا ہے کہ ثقافت کو دین کے تابع کرنا، عدل وانصاف، عقل و شعور، تقویٰ، انسانیت کی تکریم اور علم کی ترویج کے اصولوں پر استوار کرنا ہی معاشرتی اصلاح کا حقیقی ذریعہ ہے۔

جب مسلمان معاشرے انہی قرآنی اصولوں کو اپنا معیار بنائیں اور انہیں عملی زندگی میں نافذ کریں تو نہ صرف اخلاقی زوال اور فکری انتشار کی روک تھام ممکن ہے بلکہ ایک متوازن، عادلانہ اور علمی ثقافت قائم ہو سکتی ہے۔ یوں قرآنی منہج سماجی زندگی میں اصلاح و تجدید کے ساتھ ساتھ انسانی فلاح، سماجی ہم آہنگی اور تہذیبی ارتقا کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی معاشرے میں تمام انسانوں کی جان، مال اور عزت محفوظ رہیں گے۔ اس کے ساتھ معاشرے سے دھوکہ، فریب اور جعلی اشیاء کی پیداوار جیسے منفی رویّے بھی ختم ہو جائیں گے، اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جس کی طرف انسانی فطرت خود رہنمائی کرتی ہے۔

*****

References

1. Dr. Ali Akbar, Velayati, *Farahng wa Tamdan Islami*, (Tehran, Daftar Nashar Mahraf, 1384 SH), 19.

دکتر علی اکبر، ولایتی، *فرہنگ و تمدن اسلامی*، (تہران، دفتر نشر معارف، 1384ھ۔ش)، 19۔

2. Ahmad Ali, Babai, *Bargazida Tafsir Namona*, Vol. 1, (Tehran, Dar al-Kutub al-Islamiya 1382 SH), 151.

احمد علی، بابایی، *برگزیدہ تفسیر نمونہ*، ج1، (تہران، دار الکتب الاسلامیہ، 1382 ش)، 151۔

3. Shirazi, Nasir Makarim, *Tafsir Mustoun*, Vol. 5 (Tehran, Dar al-Kutub al-Islamiyya, 1374), 105.

شیرازی، ناصر مکارم، *تفسیر نمونہ*، ج5 (تہران، دار الکتب الإسلامیۃ، 1374 ش)، 105۔

4. Mustafa Hasan, Tafsir Roshan, vol. 7 (Tehran, Markaz Nashar Kitab, 1380SH), 4.

مصطفوی حسن، *تفسیر روشن*، ج7 (تہران، مرکز نشر کتاب، 1380 ش)، 4۔

5. Ahmad Ali, Babai, *Bargazida Tafsir Namona*, Vol. 3, (Tehran, Dar al-Kutub al-Islamiya 1382 SH), 446.

احمد علی، بابایی، برگزیدہ تفسیر نمونہ، ج3، (تہران، دار الکتب الاسلامیہ، 1382 ش)، 446۔

6. Shirazi, Nasir Makarim, *Tafsir Namona*, Vol. 10 (Tehran, Dar al-Kutub al-Islamiyya, 1374 SH), 268.

شیرازی، ناصر مکارم، تفسیر نمونہ، ج10 (تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، 1374 ش)، 268۔

7. Ibib, Vol. 26, 177.

ایضاً، ج26، 177۔

8. Abd al-Ali bin Juma'ah, Arusi Hawizi, *Tafsir Nur al-Saqlayn*, Vol. 2 (Qum, Antarhat Ismailiyan, 1415 AH), 488.

عبد علی بن جمعہ، عروسی حویزی، تفسیر نور الثقلین، ج2، (قم، انتشارات اسماعیلیان، 1415ق)، 488۔

9. Syed Muhammad Baqir, Mousavi Hamadani, *Tarjma: Tafsir al-Mizan*, Vol. 18, (Qum, Daftar Antarhat-e-Islami Jamia e Madraseen Hoz-e-Illamiah, 1374 SH), 487.

سید محمد باقر، موسوی ہمدانی، ترجمہ تفسیر المیزان، ج18، (قم، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ ی مدرسین حوزہ علمیہ، 1374 ش)، 487۔

10. Abu Jafar Muhammad bin Yaqub bin Ishaq, Al-Qalini al-Razi, *Al-Kafi*, Vol. 9, (Qum, Dar al-Hadith, 1429 AH), 408 & 409, Hadees #: 8229.

ابو جعفر محمد بن یعقوب بن إسحاق، الکلینی الرازی، الکافی، ج9، (قم، دار الحدیث، 1429ه)، 408و409، ح8229۔

11. Imam Muhammad bin Ismail Al-Bukhari, *Sahih Al-Bukhari*, Kitab al-Adab (Book of Morals), Chapter: Al-Mana' fi Laan al-Mu'min and Kufr, (Riyadh, Dar al-Salaam, Tab'a al-Dar al-Salaam, 1422 AH/2001) Hadith #: 6047; Allama Muhammad Baqir bin Muhammad Taqi Majlisi, *Bihar al-Anwar*, Vol. 71, Edition: II, (Beirut, Dar Ihya al-Turahat al-Arabi, 1403 AH/1983), 227.

الإمام محمد بن إسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب الأدب (کتاب اخلاق)، باب: المانع فی لعان المؤمن وکفرہ، (ریاض، دار السلام، الطبعۃ الدار السلام، 1422 ھ/2001 ء)، رقم الحدیث: 6047؛ علامہ محمد باقر بن محمد تقی مجلسی، بحار الانوار، ج71، چاپ دوم، (بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1403ھ/1983ء)، 227۔

12. Imam Wali al-Din Abu Abd Allah Muhammad bin Abd Allah al-Tabarizi, Mishkaat al-Masabih, Kitab al-Adaab, Research: Hafiz Zubair Ali Zai, (Beirut, Dar Ihya Al-Tarath al-Arabi, 1403 AH / 1983), Hadith # :4998.

الإمام ولی الدین إبو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الطبریزی، مِشْکَاۃُ الْمَصَابِیح ، کتاب الآداب، تحقیق: حافظ زبیر علی زئی، (بیروت، دار إحیاء التراث العربی، 1403ھ- / 1983م)، رقم الحدیث: 4998۔

13. Abu Dawud Sulaiman ibn al-Asha'ath al-Sajistani, *Sunan-i Abi Dawud*, Vol. 2, (approximate), Chap. Abwaab al-Salam, (Beirut, Jam'iyat al-Maknaz al-Islami,), Hadith :# 5217. (Accessed March, 16, 2026)

https://islamicurdubooks.com/hadith/hadith-.php?bookid=3&hadith_number=5217

ابو داؤد سلیمان بن الأشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ج 2، (تقریباً)، باب: إبواب السلام، (بیروت، جامعہ مکناز الاسلام)، ح 5217۔

14. Kulaini, Abu Ja'far, Muhammad bin Ya'qub, *Al-Kafi (T-Islami)*, Vol. 8, (Tehran, Dar al-Kutub al-Islamia, 1407 AH), 31.

کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، *الکافی* (ط- الإسلامیۃ)، ج8، (تہران، دار الکتب الإسلامیۃ، 1407ہ‍ق)، 31

15. Al-Majlisi, Muhammad Baqir, *Bihar al-Anwar al-Jamaa Ladarar Akhbar al-Imath al-Athar*, Vol. 1, (Beirut, Al-Wafa Foundation, 1404 AH), 220.

محمد باقر، مجلسی، بحار الأنوار الجامعۃ لدرر إخبار الأئمۃ الأطہار، ج 1، (بیروت، مؤسسۃ الوفاء، 1404ھ)، 220۔